فرزانہ خدرزئی

اسکالر پی ایچ۔ڈی اردو، جامعہ بلوچستان کوئٹہ

پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود خٹک

ڈین فیکلٹی لینگویجز اینڈ لٹریچر جامعہ بلوچستان کوئٹہ

# قومی گیت نگاری کے اصولی مباحث

**Farzana Khudarzai**
Scholar Ph.D Urdu, Balochistan University, Quetta.
**Prof. Dr. Khalid Mehmood Khattak**
Dean Faculty Languages and Literature, Balochistan University, Quetta.

## Principled Discussions of National Lyricism

National song is the mouth piece of the national aspirations.The message is addresse to the people of the country,the aim of which is to move the nation towards heat,action and vigor is called a national poetry.National song have collective feelings and emotions .They express sentiments anf feelings of the entire nation matters of joy and happines does not consist of a single person but are joint sorrows.National issues sing a statement to our compatriots.These song gives us historical consciousness to the peopleof nation.on these lands bitter truth are revealed.

**Key Words**: *National, Song, Aspirations, Country, Heat, Action, Vigor.*

اردو لغت تاریخی اصول پر میں قومیت کے معنی ہیں:

"۲ٗ۔وہ تشخص یا احساس تشخص جس کی بنیاد وطن یا مذہب و ملت ہو۔صرف مسلمان ہونا قومیت کی علامت ہو گیا ہے۔"(۱)

فرہنگ تلفظ میں قوم کے معنی ہیں:

"م ولین۔امث گروہ انسانی جو مماثل خصوصیات یا باہمی میل جول رکھتا ہو، ایک ملک کے باشندے۔۔۔قومیت (قومی یت) اصل و نژاد، ذات، نسل، توطن۔"(۲)

جب کہ قومی شاعری سے مراد ہے:

"وہ شاعری جو قومی امنگوں کی ترجمان و آئینہ دار ہو، پیغام کے مخاطب اہل وطن ہوں تو اسکی شاعری قومی شاعری کہلائے گی۔"" (۳)

ڈاکٹر مظفر عباس "اردو میں قومی شاعری" میں رقم طراز ہیں:

"قومی شاعری وہ شاعری ہے جس میں یا تو قوم کی زبوں حالی کا رونا رویا گیا ہو یا قوم کے پر شکوہ ماضی کا تذکرہ ہو یا قوم کے مسائل پیش کیے گئے ہوں یا قومی نوعیت کے معاملات پر بحث کی گئی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسی شاعری جو قوم کے کسی بھی پہلو سے متعلق ہو قومی شاعری کے زمرے میں آتی ہے۔" (۴)

مختلف لغات کے مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قوم کا لفظ اردو زبان میں ایک ملک میں رہنے والے جو ایک جیسی خصوصیات اور باہمی میل جول رکھتے ہوں۔ قوم کے معنوں میں ایک لفظ ان دونوں لغات میں مشترک طور پر ملتا ہے اور وہ وطن ہے۔ لیکن قوم کا لفظ مسلمانوں کی پہچان اور شناخت بنتا ہے۔ یہ وہ لفظ ہے جو دین اور مذہب محمدی کی بنیاد پر انہیں دیگر قوموں سے ممیز و ممتاز ٹھہراتا ہے۔ اردو لغت تاریخی اصول پر لفظ قوم کی بنیاد اس احساس تشخص پر استوار ہوتی ہے جس کی بنیاد مذہب یا ملت پر ہو۔ اس لفظ کے دوسرے معنی میں مذہب اور ملت میں گہرا رشتہ استوار دکھائی دیتا ہے اور لفظ ملت کے معنی اردو لغت تاریخی اصول پر میں یوں مندرج ہیں:

"۱۔ میل جول، ربط ضبط، راہ ورسم، ملاپ۔۔۔ دین، مذہب، شریعت" (۵)

لفظ قوم اور ملت میں میل جول، مذہب، ملت، شریعت اور وطن کے معنی مماثل طور پر ملتے ہیں، لیکن لفظ قوم کے زیادہ تر معنی گروہ یا جماعت کے نکلتے ہیں جو مشترک خصوصیات کے حامل ہوں۔ لفظ قوم کو وطن کے معنوں میں لیا جائے تو وطن کے معنی ہیں وہ جگہ جہاں کوئی مستقل سکونت اختیار کرے، جنم بھومی اور دیس جہاں پیدائش ہوئی ہو۔ دنیا کا کوئی ادب قومی شاعری سے خالی نہیں ہے۔ قوم میں حرکت، حرارت اور عمل و قوت اور بیداری پیدا کرنے کے لیے قومی شاعری کی تخلیق اہم کام کرتی ہے۔ قوم کا یہ لفظ محدود پیمانے سے نکل کر ہمہ گیریت کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ جیسے کسی ایک ملک کے باشندے جو ایک ہی مذہب کے پیروکار ہوں، کئی چھوٹی چھوٹی اقوام پر مشتمل ہوتے ہیں۔ پاکستان کے چار صوبے ہیں۔ ہر صوبے میں پنجابی، سندھی، پشتون اور بلوچ اقوام کے علاوہ اور بھی بہت ساری اقوام آباد ہیں۔ ہر قوم کئی کئی قبائل اور شاخوں میں بٹی ہے، مگر یہ سب مل جل کر ایک ہی قوم یعنی بحیثیت مسلمان اپنی پہچان رکھتے ہیں، مگر پاکستان میں دیگر اقوام بھی آباد ہیں جیسے ہندو، سکھ، عیسائی یہ

قومیں بھی بحیثیت پاکستانی ایک ہی قوم کے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ لفظ قوم کی ہمہ گیریت یہاں تک محدود نہیں۔ بلکہ مختلف مسلمان ممالک ایک بڑے دھارے میں مل کر اپنی یہی ایک پہچان رکھتے ہیں ۔ اب کوئی مصری، عربی، پاکستانی، افغانی، ایرانی یا ہندوستانی کے طور پر اپنی پہچان نہیں رکھتا بلکہ سب بحیثیت مسلمان ایک دوسرے سے جڑے ہیں جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ تمام مسلمان بحیثیت ایک جسم کی مانند ہیں۔ جسم کے کسی ایک میں درد ہو تو دوسرے حصے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔ڈاکٹر محمد طاہر قریشی ''ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر ''میں ایک مسلمان کی اس انفرادی شناخت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "ایک فرد مسلمان ہوتے ہوئے نہ صرف پاکستانی، ایرانی، شامی، امریکی ہو سکتا ہے بلکہ سندھی، بنگالی، مغل ،راجپوت، بگٹی اور آفریدی بھی ہو سکتا ہے ۔ان میں باہم کوئی تعارض نہیں ہے۔ تعارض کا مرحلہ اس وقت آتا ہے جب مسلمان اپنی بنیادی شناخت اسلام سے زیادہ اپنی ذیلی شناخت کو زیادہ اہمیت دینا شروع کر دے۔ اس وقت اس کی ایسی تمام نسبتیں ''مذہب کا کفن'' بن جاتی ہیں۔ " (۲)

لغات کی روشنی میں قومیت کی بنیاد سب سے پہلے وطن پر منتج ہوتی ہے اور وہ شاعری جو قومی امنگوں کی آئینہ دار ہو قومی شاعری کی تعریف پر پورا اترتی ہے۔ جیسے ہندوستان میں رہنے والی تمام اقوام ایک قوم، بھارتی یاہندوستانی کہلائے، جو ایک ہی جھنڈے تلے کھڑے ہو کر مسائل کا حل ڈھونڈتے ہیں اور ترقی کے خواہاں ہیں۔ اس بات سے قطع نظر کہ ان کا مذہب کیا ہے ؟وہ سب ہم وطن ہیں۔ جس میں کو یکساں اور مساوی طور پر حقوق کی فراہمی کی جارہی ہو۔ اردو لغت تاریخی اصول پر قومیت کی تعریف میں مذہب سے پہلے وطن آتا ہے۔ جب کہ ''یا'' کا لفظ متبادل کردار ادا کرتا ہے کہ ،وہ تشخص یا احساس تشخص جس کی بنیاد وطن یا مذہب و ملت ہو۔ اس طرح مذہب کی بجائے قومیت کے لیے پہلی اور اولین شرط وطنیت قرار پاتی ہے۔ وطنیت کا جذبہ ہر قسم کی مذہبی، نسلی، لسانی اور علاقائی شناخت پر مقدم ٹھہرتا ہے ۔ جس میں وطن میں بسنے والی اقوام کا اجتماعی احساس و شعور ملتا ہے۔ اس اجتماعی احساس و شعور کی عکاسی ساحر لدھیانوی کے اس قومی نغمے سے کچھ اس طرح سامنے آتی ہے:

"ہم سب ترقی کے رستے پہ میلوں چلے۔۔۔اس ترنگے تلے
اور آگے بڑھیں گے ابھی من چلے۔۔۔۔اس ترنگے تل
وہ ہمیں تھے جو اپنے وطن کے لیے سامراجی لٹیروں سے ٹکرا گئے

لب پہ آزاد بھارت کا نعرہ لیے' چڑھ کے پھانسی کے تختوں پہ لہرا گئے
اپنا حق اپنے دشمن سے لے کر ٹلے۔۔۔۔اس ترنگے تلے
دین و دھرم کے فرق کو بھول کر' اک نئے ہند کی کی ہم نے تعمیر کی
جس میں سب کو برابر سہولت ملے' ایسی دنیا بنانے کی تدبیر کی
علم و تہذیب کے خواب پھولے پھلے۔۔۔۔اس ترنگے تلے" (۷)

ہر لفظ ایک تصور یا خیال کا حامل ہوتا ہے۔ ہر لفظ محض ایک لفظ نہیں ہوتا بلکہ اس کی تہہ میں معنی و مفہوم کا ایک سلسلہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ ہر لفظ ایک مکمل تہذیب اور ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ لفظ "قوم" کے تصور و خیال کے ساتھ ساتھ اس کے لوازم بھی دائرہ در دائرہ موجود ہوتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی قریب کے بھی ہیں اور بعید کے بھی۔ جیسے قومیت، قوم اور قومی کے الفاظ انسانی فہم و ادراک کے دائرے میں آتے ہیں تو تصور و خیال کے یہ لوازم بھی ذہن میں ایک خاص ہیئت اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً جب قوم کا لفظ ایک تصور کا ایک ہالہ ساتھ لاتا ہے جب ہندوستانی قوم کہا جائے تو اب یہ ہالہ بدل جاتا ہے، لیکن جب ہم دوبارہ کہیں کہ ہندو مسلم قومیں تو بدلا جانے والا ہالہ ایک نئی ہیئت کے ساتھ نمودار ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت قائد اعظم کے اس ارشاد سے بخوبی کی جاسکتی ہے۔ ''میرے قائد کا نظریہ''میں مصنف محمد آصف بھلی لکھتے ہیں:

> " قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ تہذیب و تمدن ،زبان وادب،فنونِ لطیفہ ،فن تعمیر،نام و نسب، قانون و اخلاق،رسم و رواج، تاریخ و روایات،ہر اعتبار سے مسلمانوں کا اپنا انفرادی زاویہ نگاہ اور فلسفہ حیات ہے"۔ (۸)

یہی کیفیت تحریک پاکستان کے ساتھ جڑنے والے ہالے کی ہے،اسی تناظر میں ابھرنے والی قومی شاعری یا قومی گیتوں کی ہے جو متحدہ ہندوستان کی صورت میں مختلف ہالے کے ساتھ ابھرتی ہے اور جب تحریک پاکستان کا ذکر کیا جائے تو اب اس قومی شاعری یا قومی گیتوں کا ہالہ قوم کے نئے منفرد رنگوں کی آمیزش سے ابھرے گا۔ جس کے تحت لفظ قوم اور قومی شاعری کے مفہوم میں اچانک تبدیلی کا امکان نمودار ہوتا ہے۔ پیدا ہونے والی یہ تبدیلی اس لحاظ سے اچانک نہیں کہی جاسکتی کہ اس میں ماضی میں ہونے والی پیشتر تبدیلیوں کی گونج برابر سنائی دیتی رہتی ہے۔ جن

کا سلسلہ تہہ در تہہ شامل ہو کر خیال کے بہاؤ میں روانی سے جوش پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔حفیظ جالندھری لکھتے ہیں:

"آرتی مندر سے گونجی اور مسجد سے اذاں
دین و دنیا کی دورنگی اِک خدا کی ترجماں (۹)

پہلے مصرعے میں دو مختلف مذاہب کے تذکرے سے ذہن میں ایک تصویر بنتی ہے ، مگر بات ابھی ادھوری ہے آرتی کا اذاں سے اور مندر کا مسجد سے تعلق کس زاویے سے جڑتا ہے۔پہلا مصرعہ تجسس کی رگ کو اکساتا ہے جب کہ دوسرے مصرعے نیا تصور سامنے آتا ہے جو بات کو مکمل کر دیتا ہے۔یہاں دونوں میں یک رنگی ،مناسبت اور ہم آہنگی کی ایک خدا کے ترجماں کی خصوصیت سے بنتی ہے۔قومی شاعری کی یہی یک رنگی شاعری کی صفت قرار پائی۔جس کے تحت ہولی،بسنت،دیوالی،عید جیسی نظمیں دو مختلف قوموں کی تصویر کشی سے یک رنگی یا متحد ہونے کی دلیل دے رہی ہیں۔"کلیات علامہ اقبال"میں علامہ اقبال کے یہ اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ خواجہ معین الدین چشتی ہوں یا سکھ مذہب کے پیشوا اردو شاعری میں نہ صرف مقبولیت رکھتے تھے بلکہ اس حقیقت کو بھی سامنے لاتے ہیں کہ ہندوستان مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا ملک ہے۔

"چشتی نے جس زمیں میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے،میرا وطن وہی ہے" (۱۰)

قومی گیتوں میں عام گیتوں کی طرح وطن سے محبت اظہار اس طور پر بھی کیا جاتا ہے کہ وطن میں چار سو بکھرے جمال کائنات کے روشن نقوش کو سامنے لایا جاتا ہے۔گیتوں میں ایک تو عورت کے جسمانی پہلوئوں کو خاص اہمیت دی جاتی ہے دوسرے سراپا نگاری بھی ان کا خاص طرہ امتیاز ہے۔ان میں محبوب کی پنچھی جیسی میٹھی آواز کا جادو،اونچے پیڑ کی مانند قد و قامت،آلوچوں کی طرح گلابی ہونٹ،برف کے گالوں جیسے سپید دانت،کنول جیسی آنکھیں،گلاب کی جیسی جلد کی تشبیہات بھی عام ملتی ہیں۔وطن کی محبت کا ایک زاویہ اس میں پھیلی خوبصورتی کو خراج تحسین پیش کرنا۔ یہ خوبصورتی کسی بھی حوالے سے ہو سکتی ہے۔دریا،سمندر،پہاڑ،میدان،صحرا ، مخصوص

باغات، تاریخی مقامات، کوئی خاص دریا، سمندر، میدان، صحرا یا علاقہ لگاؤٹ یا محبت کی نسبت قرار پاتا ہے۔ ساحر لدھیانوی "کلیات ساحر لدھیانوی" میں دھرتی میں بکھرے حسین مناظر کو ان الفاظ میں سامنے لاتے ہیں:

"یوں تو حسن ہر جگہ ہے، لیکن اس قدر نہیں
اے وطن کی سرزمین
یہ کھلی کھلی فضا، یہ دھلا دھلا گگن
ندیوں کے پیچ و خم، پربتوں کا بانکپن
تیری وادیاں جواں تیرے راستے حسیں
اے وطن کی سرزمیں" (۱۱)

وطن سے وابستگی اور حب کی بدولت یہاں کی ہر شے سے وابستگی کا اظہار ان گیتوں میں ملتا ہے۔ وطن، دیس، دھرتی سب گھل مل کر قومی گیتوں میں فخر و انبساط کے رنگ ابھارتے۔ جہاں پیڑوں میں بہاریں جھولتیں۔ راستوں میں پھولوں کی قطاریں بچھی ہوتیں۔ کہیں دھرتی کے شوخ جوانوں کا دنگل قومی گیتوں میں رنگ جماتا تو کہیں تیر کمانوں کے کرتب سے سجا میلہ متوجہ کرتا۔ ڈھول تماشے، میلے ٹھیلے، دوستی کا سماں ہوتا اور دیس کے جوان محبت کی علامت بن کر سب کے لیے دلبر ہوتے ہیں۔ جب میدان جنگ میں ان کے مدمقابل دشمن کا ٹھہرنا محال ہوتا۔ ڈٹ کر مقابلہ کرنے والے یہ جوان دشمن کے لیے ایسی تیز تلوار کی مثل ہوتے جس کا کوئی ثانی نہ ہو۔ شاعر کی آنکھ اپنے دیس میں حسن کے کرشمے دیکھتی ہے۔ وہ جب اپنے دیس کی کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے، تو یہ دیس گہنا بن کر پوری دنیا پر برتری حاصل کر لیتا ہے۔ یہ سارا ماحول، تیر کمانوں کے کرتب، نوجوانوں کے دنگل، کھیل تماشے، بہاروں کے موسم میں کھلے پھولوں میں مقامی رنگ ابھر کر نمایاں ہوتے ہیں جو خالصتاً اپنی دھرتی سے جڑے ہیں۔ ساحر لدھیانوی اپنے وطن کی انفرادیت کو اس طرح ابھارتے ہیں:

"یہ دیش ہے ویر جوانوں کا
البیلوں کا مستانوں کا
اس دیش کا یارو کیا کہنا
یہ دیش ہے دنیا کا گہنا
یہاں چوڑی چھاتی ویروں کی

یہاں گوری شکلیں ہیروں کی
یہاں گاتے ہیں رانجھے مستی میں
مچتی ہیں دھومیں بستی میں" (۱۲)

سیاسی تغیرات کی بدولت گیت نگاروں کے رویوں میں بھی گوناگوں تبدیلی ہوتی رہی۔ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی اس لیے نفرت ،تعصب اور عصبیت کی بجائے محبت کا دور دورہ تھا۔جس میں کوئی مسلمان یاہندو نہیں تھابلکہ سب انسان تھے۔انسان مقدم تھا۔قومی گیتوں میں ہر چھوٹے اور بڑے کو انسانیت کا درس دیا جاتا۔جس طرح آج قومی گیت حب وطن کے حوالے سے اجتماعی جذبات و احساسات کے زیر اثر تخلیق ہوتے ہیں۔ ابتدا میں یہ کیفیت یکسر مختلف تھی۔اس وقت یہ تصوراردو گیتوں کی طرح شخصی اور انفرادی تھا۔اس کے اظہار میں بھی اتنی ہمہ گیریت نہیں تھی بلکہ یہ اظہار محدود پیمانے پر ہوتا تھا۔اس دور میں شعراء اپنے اپنے آبائی گائوں اور علاقوں کی خوبصورتی پر رطب اللسان دکھائی دیتے۔دکن، گجرات،بنارس، لکھنو،لاہوراور دیگر شہروں کے خصوصی اوصاف بیان کیے جاتے اور ان کی دلکشی اور حسن کو گیتوں میں ابھاراجاتا۔اس حوالے سے ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ''ہندوستان کی تحریک آزادی اور اُردوشاعری'' میں لکھتے ہیں:

> "وطنیت کے ان جذبات کا جوہر ان کے خلوص اور ان کی سادگی و اصلیت میں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ جذبات انفرادی نوعیت کے ہیں۔ان کی تنظیم کسی ایسے شعور سے نہیں ہوئی جسے آج ہم قومی اور وطنی شعور کہتے ہیں، اور نہ ہی ان کی بنیاد اجتماعیت ہی پر ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اتنے محدود بھی نہیں کہ انہیں محض نجی یاذاتی کہہ کر رد کیاجائے۔ان میں ملک یا قوم کاتصور نہ سہی لیکن ایک حد تک یہ اپنے معاشرے اور اپنے سماج کااحاطہ ضرور کرتے ہیں۔" (۱۳)

گو کہ آبائی علاقوں اور وطن کی مدح سرائی آج بھی قومی گیتوں میں سرعت سے موجود ہے مگر اکائیوں میں بٹے یہ خیالات وحدت کی صورت میں قومی دھارے سے جا ملتے ہیں۔ماضی میں قومی گیتوں کے حوالے سے یہ محدود صورتحال اس وقت تھی جب گیت دلی مرکز کے اثرات سے دور رہ کر مقامی اثرات کے رنگوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھا۔اس لئے مقامی رنگوں کی ظہور پذیریت گیتوں میں توانا تھی۔اس کا ایک بڑا سبب ذرائع ابلاغ میں کمی ،فاصلوں میں دوری،موافق سیاسی حالات،مذہبی آزادی ،معاشی خوشحالی تھا۔شمالی ہندوستان پر مغلوں کا تسلط تھا۔

مغلوں نے جب طویل فوج کشی سے جنوبی ہندوستان کے آس پاس ریاستوں میں بٹی حکومتوں پر تسلط جمانا شروع کیا تو ان مہمات کے نتیجے میں دلی کا اقتدار مضبوط ہوتا چلا گیا۔ جوں جوں دلی کی سیاسی و عسکری گرفت مضبوط و توانا ہوتی گئی ویسے ویسے مقامی تصور کمزور ہوتا گیا اور وحدت کو توانائی ملنے لگی۔ آنے والے عہد میں قومی گیتوں کے لیے وہ فضا ساز گار ہوتی گئی جو ان کی ہمہ گیریت اور قومی بیداری کا پیش خیمہ بنی۔ انفرادی اور شخصی جذبوں پر اجتماعیت کا رنگ چڑھنے لگا، لیکن ان رنگوں میں تیزی اس وقت پیدا ہوئی جب مغلوں کی حکومت کمزور ہونے لگی اور مغلیہ سلطنت کا وقار تیزی سے مٹنے لگا۔ مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں کی یورش سے دہلی تو کیا پورا ہندوستان سیاسی و اقتصادی ابتری سے دوچار ہوا۔ اس سیاسی، معاشی ابتری نے حساس اذہان پر گہرے اثرات چھوڑے۔ ان دگر گوں حالات نے آنے والے وقتوں میں قومی گیتوں کو ایک نئی جہت عطا کی۔ دلی میں مسلمانوں کی بربادی اور کمزور سیاسی حکمت عملیوں نے انگریزوں کے لیے ہندوستان آنے کی فضا ہموار کی۔ یہ تمام حالات شاعری میں وطن سے محبت کے نئے رویے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ ان حالات کے تناظر میں قومی شاعری جو بعد میں قومی گیتوں کے قالب میں ڈھلی، میں دو اہم رویے دیکھتے ہیں۔

ا۔　جذبات انفرادی اور شخصی رویے کے ساتھ وطن سے وابستگی اور حب وطن کی بدولت یہاں کی ہر شے سے وابستگی کا اظہار۔

۲۔ س　یاسی شکست وریخت کی بدولت حب وطن میں اجتماعی مزاج اور ماحول کی عکاسی، اور شاعری میں مزاحمتی رجحانات۔

پہلے حصے میں آسمان، چاند، رنگ برنگے پھول، پہاڑ، دریا، صحراا ور جمال کائنات کے خوبصورت رنگوں کی بدولت ایک نشاطیہ مسرور اور پرسکون رویہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ جس کے تحت شاعر اپنے ارد گرد پھیلے ماحول اور دھرتی سے وابستگی پر مسحور و مسرور ہے۔ اس حصے میں موسم بہار کے رنگوں، مقامیت کی کھلی فضا کی مسرتوں کے متعلق خیال آرائی کی گئی ہے۔ یہاں ان مناظر کا بیان ذاتی تجربے پر ملتا ہے۔ جب کہ دوسرا حصہ قومی شاعری میں اس طور پر مرتعش ہوتا ہے کہ اس میں دگر گوں سیاسی حالات کی بدولت معاشی مسائل، معاشرتی تباہی اور ٹوٹ پھوٹ، انسانی قدروں کی پامالی کا شدت سے احساس ملتا ہے۔ اس حصے میں پند و نصائح، اخلاق اور خلوص کی بدولت سنجیدگی ملتی ہے، ان حالات کا بیان سماجی و معاشرتی مسائل سے جڑا ہوتا ہے۔ یہ رویہ ان گنت انسانی زندگیوں کے احساسات و جذبات سے وابستہ کر اجتماعیت سے جڑ کر سماج کے دوسرے انسانوں کی بھی ملکیت بن جاتا ہے۔ شاعر، اس زمین سے گہری

محبت اور انسیت رکھنے کی بدولت جب یہاں خون خرابہ اور لڑائی جھگڑے دیکھتا ہے تو تڑپ اٹھتا ہے۔ یہاں وطن کی زمین کی پامالی اسے شدت سے تکلیف سے دوچار کرتی ہے۔ ان قومی حادثات کے تناظر میں اس کا بہترین ہتھیار شاعری قرار پاتی ہے۔، جو شاعری میں جذباتی اپیل پیدا کر کے اپنے ہم وطنوں کی بے بسی اور لاچاری کی کیفیات کو سامنے لاتی ہے۔ یہ حالات اس مزاحمتی شاعری کو پروان چڑھاتے ہیں جس کے تحت ارگرد پھیلی ناانصافیوں، ظلم و ستم استحصال اور محرومیاں اس کے ذہن میں ایک تخیلاتی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ یہ تخیل شاعری میں سرائیت کر کے جعفر زٹلی کی ہزلیات میں ڈھل کر ذاتی غم و غصے کا اظہار کرتا ہے۔ ’ہجو“ کی صورت میں طنز آمیز غم و غصے سے بھرا لہجہ اختیار کرتا ہے اور میر اور درد کے ’شہر آشوب“ کی شکل میں معاشرتی، ریاستی اور سیاسی بے ربطی پر آنسو بہاتا ہے۔ کہیں قطعات میں گجرات، دلی اور لاہور کے فراق میں وطنیت کا جذبہ ابھرتا ہے۔ میر حسن کی مثنویوں کی شکل میں غم اور صدمے کی کیفیت سے دوچار ہے اور نظیر اکبر آبادی کی صورت میں شاعری کی محدود حدوں سے انحراف کرتے ہوئے اسے لامحدود کیفیات کا حامل بنا دیتا ہے۔ یہاں یہ اس رویے کا مظہر بنتا ہے جس کے تحت عام انسانی زندگی کو شاعری کے قالب میں ڈھالا جائے، جو سماج کے اونچے طبقے کے ظلم و ستم کا شکار ہے، جو اقتصادی تباہ حالی کی وجہ مختلف مصائب و مسائل کا شکار ہے۔ یہ رویہ شاعری کی رسمی تصورات کو ترک تو کرتا ہے مگر اس طرح سے کہ مقامی موسموں کی نزاکت اور ہندوستان کی مقامی فضا کا خاص خیال رکھتے ہوئے شاعری کو نئی سمت سے متعارف کرواتا ہے۔ جس میں اجتماعیت اور حب وطن کی بدولت قومی روح کا اظہار ہوتا ہے۔ اس رویے کے تحت نظیر ہندوستان کے عام انسان کی خوشحالی اور شخصی آزادی کا قائل دکھائی دیتا ہے۔

> "نظیر کو ہندوستان کے ذرے ذرے سے عشق تھا۔ ہندوستانی مزاج و معاشرت سے نظیر کو جو فطری نسبت تھی اس کی مثالیں پیش کرنا تحصیل حاصل ہے۔۔۔ نظیر ہندوستان کے پھلوں پھولوں موسموں اور کھیل تماشوں کے بارے میں بھی اپنے ذوق و شوق کا اظہار کرتے ہیں۔ آگرہ اور نواح آگرہ کے میلوں ٹھیلوں پتنگ بازی اور تیراکی پر نظیر کی جو نظمیں ملتی ہیں گہرے تعلق اور صدق محبت کا پتہ دیتی ہیں۔ نظیر کا جذبہ محبت اس لحاظ سے منفرد اور ممتاز ہے کہ وطن کے جس ذرے پر اس نے نظر ڈالی، اسے آسمان بنا دیا۔"(۱۴)

وطن سے اس دلبستگی کی بدولت اس حقیقت سے قطع نظر ہو کر کہ وہ کس مذہب کا پیروکار ہے، عقائد میں الجھنے کی بجائے اس کے لیے وطن کا وجود ان سب چیزوں پر مقدم ہے۔ وطن کی برتری و عظمت کا احساس اسے قوم اور قومیت کے اس محدود پہلو سے بالا تر ہو کر وطن میں پھیلے انسانوں اور ان سے وابستہ خوش رنگ تصوارت یا تاریک پہلوئوں کی گوناگوں کیفیات سے والہانہ لگائو رکھتا ہے۔ اس کے یہ گیت خالصتاہندوستانی مزاج سے ہم آہنگ ہیں۔ نظیر نے علمی طبقے کی زبان کو ترک کر کے ان گیتوں نے ناتاعوام سے جوڑااور عوامی معاشرت سے تعلق رکھنے والی زبان کے سانچوں اور روزمرہ کے الفاظ کو گیتوں میں ڈھالا۔ قومی گیت کا یہی اصول سب سے توانا ہے کہ یہ اپنی دھرتی کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں۔ ہندو مسلم ثقافت کے امتزاجی رویے سے منفرد شناخت بنانے والے گیت اپنی روش بدل ڈالتے ہیں جب یہ قومی شاعری کے قالب میں ڈھل کر اردو گیت اور قومی شاعری سے الگ اپنی پہچان قومی گیتوں کے نام سے کرواتے ہیں مگر پہچان کا یہ سفر راتوں رات طے نہیں ہوابلکہ ایک تحریک کی صورت اختیار کر کے مدت کے بعد خود کو نئے امکانات سے روشناس کراتا ہے۔ ہندوستان کی دھرتی اور اس کے مظاہر فطرت سے دلچسپی ، یہاں کی سوندھی مٹی کی وہ باس جو شعراء کے لیے دلکشی کا باعث تھی اب اس کا رخ وطن سے مذہب کی طرف مڑنے لگتا ہے۔ ہندوستان کی دھرتی سے جڑنے ، یہاں کے ماحول اور ثقافت کے نقاش یہ قومی گیت فنی شرائط کے اعتبار سے بھی خالص ہندوستانی خصوصیات کو اپنے اندر سمو کر ابھرے۔

ان قومی نظموں میں ابھی یہ جذبہ حب وطن محض شاعرانہ مقاصد تک محدود دکھائی دیتا رہا، قومی گیتوں میں جس طرح عملی جدوجہد کی تلقین ملتی ہے یہ گیت اس عملی جدوجہد کو ابھارنے سے قاصر ہیں۔ یہ شاعری مسائل کی تہہ میں نہیں جھانکتی، سماج کے منفی رویوں کے خلاف الجھنے کی سعی بھی نہیں کرتی۔ ہاں یہ سیاسی رجحانات ضرور رکھتی ہے۔ رفتہ رفتہ جذبہ، احساس اور روح کی کیفیات سے ہم آہنگ ہو کر قومی شاعری یا گیتوں کے قالب میں ڈھل کر ایک باوقار شاعرانہ اظہار کے لیے زمین ہموار کرتی ہے۔ یہ مزاحمتی شاعری اپنے ہم وطنوں کو ذہنی اور شعوری پختگی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس تناظر میں تخلیق ہونے والی شاعری اپنے عہد کی آگاہی کا شعور رکھتی ہے اور گیتوں کو ایک نئے ذائقے سے آشنا کرتی ہے۔ یہی وہ رجحان ہے جو قومی گیت سے تعلق داری کا سبب بنتا ہے۔ سفر در سفر سے اس قسم کی مزاحمتی شاعری نے کہیں قومی گیت سے الگ ہو کر اپنی سمت یکسر بدل دی اور کہیں ترمیم و تنسیخ اور اضافے کے بعد قومی گیت کے قالب میں ڈھل کر نئی شکل میں ابھری ،لیکن یہی خصوصات اور یہی وہ سیاسی، اقتصای، معاشی اور معاشرتی روش تھی جو آج قومی گیتوں میں ڈھل کر زیادہ شگفتہ اور نکھری شکل میں نظر

آتی ہیں، جو مسائل کے اندر جھانکنے کی طاقت رکھتی ہے۔ اس میں اس قدیم شاعری کے برعکس نئے رجحانات جھلکتے ہیں۔ ان نئے رجحانات کے زیر اثر اس شاعری میں سریلے بول جو گائیکی کے اصولوں پر پورا اترتے ہوں، نغمگی اور موسیقیت جیسی خصوصیات ابھرتی ہیں۔ گائیکی کے وصف کی بدولت موسیقار کا آہنگ اور گلوکار کی آواز کا بانکپن بھی کام کرتا ہے۔ قدیم قومی شاعری کے برعکس اس شاعری میں شاعرانہ مبالغہ آرائی کی بجائے حقیقت کا رنگ جھلکتا ہے۔ اس میں اجتماعی احساس کی بدولت اخوت اور بھائی چارگی کی فضا ابھرتی ہے۔ یعنی قومی گیت موضوعاتی و فکری زاویے سے قومی شاعری سے مناسبت رکھتے ہیں مگر دراصل قومی گیت اردو گیت کا جزو ہیں، جو موسیقی اور شاعری دونوں کا امتزاج ہیں۔ جنہوں نے وقت کے ساتھ ساتھ فنی منازل طے کیے اور ابلاغ کے نئے نئے راستوں کا سفر کر کے جدید صورت اختیار کی۔ حب وطنی کا سفر جو امیر خسرو، قلی قطب شاہ اور نظیر سے شروع ہوا جدید شعراء نے اپنے اپنے طور پر اسے انفرادیت بخشی۔ قومیت کا شعور بخشنے والی طویل و مختصر نظمیں قومی گیتوں کا اولین نمونہ کہلاتے ہیں۔ جن سے موجودہ دور کے قومی گیتوں نے تقویت حاصل کی اور اردو میں قومی گیت نگاری کا چلن عام ہوا۔ ان قومی گیتوں کا سفر تحریک پاکستان سے ہی شروع ہوتا ہے۔ جدوجہد آزادی، مطالبہ پاکستان، قومی یکجہتی کے حوالے سے مسلمانوں کے جذبات ابھارنے اور قائد اعظم کا پیغام عام کرنے کے لیے کثرت سے قومی گیت لکھے گئے۔ جب تک یہ قومی شاعری سے جڑے تھے تو یہاں موضوعات کا بھی فقدان تھا مگر تحریک پاکستان کے خاردار راستے نے قومی گیتوں کی تخلیق کے لیے مہمیز کا کام دیا۔ تحریک پاکستان سے وابستگی کے بعد ان کے موضوعات، انداز بیان اور زبان کو نئی روایت ملی۔ ان قومی گیتوں نے نئی منزل پر پہنچانے کے لیے نقش اول کا کام کیا۔ ان قومی گیتوں نے اردو شاعری کو ایک نیا قومی شعور، نیا مزاج اور نیا آہنگ بخشا۔

گیت ہندوستان کی پیداوار ہیں۔ جنہوں نے رفتہ رفتہ اردو میں سرائیت کی اور پھر انہی روایتوں کے امین بن کر پاکستان کی فضا اور یہاں کی زمین سے رشتہ جوڑا۔ اس لیے ان قومی گیتوں میں یہاں کی فضا اور مزاج سے ہم آہنگی لازمی عنصر قرار پاتی ہے جنہیں باہر کی فضا سے کوئی سروکار نہ ہو۔ دھرتی کی سوندھی مٹی کی خوشبو ان گیتوں میں بسی ہو۔ یہاں کی مخصوص روایات، تلمیحات، استعارے، بول چال کے انداز نمایاں ہوں۔ جہلم، جمن، ہمالہ، راوی، گنگا و جمنا، درہ خیبر، تاج محل، برج ناتھ جیسے مقامات، سیندور، آکاش، بنسی، بانسری، مرلی، بسنت کے رنگ، سرسوں کی پیلاہٹ، پھولوں کے زرد گہنے، عندلیب کے نغمے، مندروں میں بجتے سنکھ، دیش، سنسار، گیان دھیان کے پتر باچیں، سرگ، بیوپار، دین دھرم، جوگی والا پھیرا، گوتم کی زمیں تلسی کا بن، سادھو، بھبھوت

درشن، پریت منتر، پریم کی جوت، سلام، پرنام جیسے الفاظ ایک مخصوص فضا اور ماحول کو سامنے لاتے ہیں۔ یہ وہ مخصوص فضا اور ماحول ہے جس کے تحت بسنت میں سرسوں پھولتی ہے۔ بسنت ہندوستان میں بہار کا پیش خیمہ ہے باغوں اور کھیتوں میں مقامی ہندوستانی بہار آتی ہے۔ یہ وہ مانوس مقامی فضا ہے جس سے عوام و خاص سب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ''کلیاتِ ساحر'' میں ساحر لدھیانوی لکھتے ہیں:

"اب کوئی گلشن نہ اجڑے اب وطن آزاد ہے
روح گنگا کی ہمالہ کا بدن آزاد ہے
کھیتیاں سونا اُگائیں ' وادیاں موتی لٹائیں
آج گوتم کی زمیں ' تلسی کا بن آزاد ہے
دستکاروں سے کہو اپنی ہنر مندی دکھائیں
انگلیاں کٹتی تھیں جس کی اب وہ فن آزاد ہے
مندروں میں سنکھ باجے مسجدوں میں ہو اذاں
شیخ کا دھرم اور دینِ برہمن آزاد ہے
لوٹ کیسی بھی ہو اب اس دیش میں رہنے نہ پائے
آج سب کے واسطے دھرتی کا دھن آزاد ہے" (۱۵)

قومی احساس کو شاعری کا محرک بنانے والے یہ قومی گیت اس دھرتی سے جڑے قومی رہنمائوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں، جن کی قیادت نے انقلابی تبدیلیاں رونما کیں۔ ۱۹۳۱ء کو جواہر لال نہرو وفات ہوئے۔ اس گیت میں گیت نگار انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جسم کی موت، موت نہیں ہوتی۔ جسم کے مٹ جانے سے انسان نہیں مرتے بلکہ ان کی تعلیمات اور فیض کی بے بہا دولت سے سینکڑوں انسان بہرہ یاب ہوتے ہے۔ یہ عملی تعلیمات نسل در نسل یک زندہ کیفیت اور احساس کی ترجمان بن کر روح اور رگوں میں دوڑتی ہیں۔ "جواہر لال نہرو'' میں ساحر لدھیانوی انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ جو ہر دین سے منکر ہر اک دھرم سے دور
پھر بھی ہر دین ' ہر اک دھرم کا غمخوار رہا
ساری قوموں کے گناہوں کا کڑا بوجھ لیے

عمر بھر صورتِ عیسیٰ جو سرِ دار رہا
جس نے انسانوں کی تقسیم کے صدمے جھیلے
پھر بھی انساں کا اخوت کا پرستار رہا" (۱۶)

گیتوں کی پرانی روش کے مقابلے میں اب قومی گیتوں میں خراج تحسین پیش کرنے کے حوالے سے نئی روایت سامنے آئی۔ اب صرف وہ قومی رہنما خراج تحسین کے مستحق ٹھہرتے ہیں جو تحریک پاکستان کے روح رواں ہیں۔ جنہوں نے اس تحریک میں عملی طور پر حصہ لیا یا انقلابی نغمے چھیڑ کر ملت کے افراد میں نئی روح پھونکی۔ اب نہرو اور گاندھی کی بجائے بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ایک عہد آفرین شخصیت اور بلند مدبر کے طور پر مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز بنے۔ مجاہد آزادی کی حیثیت سے ان کی شہرت آسمان پر تھی ان کے بلند پایہ کردار سے ہر چھوٹا بڑا متاثر تھا۔ ان کی غیر معمولی قیادت، قوت عمل، ارادے کی پختگی، صبر و تحمل، استقلال و استقامت اور ان تھک محنت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی، اس تناظر میں دلوں میں محبت کی جوت جگا کر ہر دلعزیزی کے مقام پر فائز ہو چکے تھے۔ لہٰذا ان کی غیر معمولی شخصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت سارے لازوال گیت تخلیق کیے گئے۔ ''منتخبہ نظمیں''، تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما اور قائد اعظم کے قریبی ساتھی میاں بشیر احمد کا ایک قومی گیت "محمد علی جناح " درج ہے جو آج بھی ماضی کی طرح مقبول اور زبان ذد عام ہے۔

"ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح
ملت ہے جسم، جاں ہے محمد علی جنا
صد شکر پھر ہے گرم سفر اپنا کارواں
اور میر کارواں ہے محمد علی جناح (۱۷)

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ عہد بہ عہد اس رویے میں بھی تبدیلی آئی یہ قومی رہنما تو ہمیشہ کے لیے قومی گیتوں کی جان قرار پائے مگر ان کے علاوہ ہر وہ شخصیت جس نے ملک اور قوم کی ترقی میں کسی بھی سطح پر اپنا کردار ادا کیا وہ قومی ہیرو کہلایا جیسے قابل فخر سائنسدان ڈاکٹر عبد القدیر خان، اہم سماجی رہنما عبد الستار ایدھی، کھیلوں کے میدان میں معرکہ مارنے والے کھلاڑی جو قومی عظمت و وقار کے پیمانے قرار پائے۔ قومی گیت کی تخلیق کا ایک اصول یہ ہے کہ جب بھی وطن کے خلاف بیرونی قوتوں کو سر گرم عمل پایا گیا تو شاعری میں ان کے خلاف جھنجھناہٹ اور غصے کا اظہار کیا گیا۔ ہندو، مسلمان ایک طویل عرصے تک ایک زمین، ایک جیسی تہذیب، مشترک آب و ہوا اور

مشترک لسانی خصوصیات کے پردہ دار تھے۔ اردو اور ہندی بولنے والوں کی بھی آبادیاں ملی جلی رہی تھیں۔ اس لیے اردو اور ہندی میں قومی گیتوں کا ایک بہت بڑا سرمایہ مشترک ہے۔ ہندوستان سے محبت کا جذبہ مسلمانوں اور ہندوئوں دونوں کے لیے مشترکہ طور پر دکھائی دیتا ہے۔ مغربی سیاسی سرگرمیوں کو ہندوستان میں دونوں قوموں نے کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ مغربی سیاسی غرور و تکبر، احساس برتری، سے شعراء خائف دکھائی دیتے ہیں اور ناپسندیدگی کے یہ عوامل موضوعی عکس بن کر قومی گیتوں میں تیرتے نظر آتے ہیں۔ ان غیر ملکی طاقتوں نے پہلے دھرتی کے اداروں کی آئینی حیثیت کو کم کیا۔ اس کے بعد ریاستی ڈھانچے تباہی کا شکار ہوئے اور ایک ایسا وقت آیا جب ہندوستان کی قسمت کے فیصلوں کی ڈور تک تھام لی۔ یہ معاملہ یہاں تک ختم نہیں ہوا بلکہ ہندوستان کی اپنی تہذیب اور ثقافت پر بھی اس کے نئے تہذیبی اثرات ثبت ہوئے۔ مغربی تہذیب نے ہندوستان کی مقامی تہذیبی و ثقافتی حصار کو توڑنے کے بعد ایک نئی ذہنی تبدیلی کے رجحان کو جنم دیا۔ جس کے تحت نرم و ملائم زمین کے سینوں پر خیموں کی طنابیں گڑی گئیں۔ چوپال جو عوامی میل جول، عوامی تحریکوں کی ایک فعال نشانی سمجھے جاتے تھے، ان کی رونقیں مدہم پڑ گئیں اور ان کے مقابلے میں دفتری سرگرمیاں فعال ہوئیں۔ جس کے نتیجے میں مغربی خیالات و تصورات، تہذیبی و ثقافتی سطح پر مقامی عوامل پر غیر محسوس انداز میں اثر انداز ہونے لگیں۔ ان حالات سے متاثر ہو کر گیت نگاروں نے گیت تخلیق کیے جن میں مقامی تہذیب و ثقافت کے چھن جانے اور اسی دکھ درد کی کہانیاں چھپی ہوئی ہیں۔ کراہیت کا یہ پہلو پہلے پہل نظمیہ شاعری میں ابھرتا ہے اور بعد میں قومی گیتوں کی خصوصیت قرار پاتا ہے۔ ساحر لدھیانوی کی طویل نظم "پرچھایاں" جو انھوں نے امن اور تہذیب کے تحفظ کے لیے تحریر کی تھی اس نئے ذہنی رجحان کی عکاسی کرتی ہے جس نے بعد میں روایت کی صورت اختیار کر لی۔

"مغرب کے مہذب ملکوں سے کچھ خاکی وردی پوش آئے
اٹھلاتے ہوئے مغرور آئے' لہراتے ہوئے مدہوش آئے
خاموش زمیں کے سینے میں خیموں کی طنابیں گڑنے لگیں
مکھن سی ملائم راہوں پر' بوٹوں کی خراشیں پڑنے لگیں
فوجوں کے بھیانک بینڈ تلے چرخوں کی صدائیں ڈوب گئیں
جیپوں کی سلگتی دُھول تلے پھولوں کی قبائیں ڈوب گئیں
انسان کی قیمت گرنے لگی اجناس کے بھائو چڑھنے لگے

چوپال کی رونق گھٹنے لگی' بھرتی کے دفاتر بڑھنے لگے (۱۸)

بیرانی مداخلت کسی بھی سطح پر برداشت نہیں کی جاتی۔ایسے حالات میں گیت نگاروں کی تخلیقی حس متحرک ہو جاتی ہے اور ان کا قلم رواں ہو جاتا ہے۔سیاسی و تہذیبی ڈھانچے بدلنے پر یہ گیت مختلف روش اختیار کر جاتے ہیں۔جیسے ہندوستان کی تقسیم کے بعد مشترکہ جذبات واحساسات کی ترجمانی کرنے والے قومی گیتوں کی روایت کو بھی بدل ڈالا۔وطن کی سرزمین پر بیرونی مداخلت،چاہے وہ تہذیبی اور ثقافتی سطح پر ہو یا عسکری ہو، قومیت کے جذبے سے لبریز گیت نگاروں نے کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔حالات بدلنے پر شعراء کے رویے میں بھی واضح تبدیلی دیکھنے کو ملتی ہے۔جب پاکستان پر ہندوستان کی فوج رات کی تاریکی میں حملہ آور ہوتی ہے،تو ان ہنگامی حالات میں جو گیت تخلیق کیے گئے ،ان میں نئے امکانات اور نئی وسعتوں کے اثرات کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔احمد راہی "للکار" میں لکھتے ہیں:

"بھارتی جنگ بازوں کے جبر و تشدد کی' ظلم و ستم کی
حکایاتِ خونیں لکھیں گے
بہت ہم نے عشق و محبت کے نغمے
ہم نے اس بت کے رخسار ولب کے فسانے کہے
بہت حسنِ محبوب کے ہم نے یار و قصیدے لکھے
مگر حسن اور عشق کا آج مفہوم ہی اور ہے
آج مضمون ہی اور ہے
آج اپنا مقدس وطن
ٹینکوں،توپوں کے دوزخ کے منہ پر کھڑا
ہم سے یہ کہہ رہا ہے
کہاں ہو مرے پاسبانو!
دلاور جوانو!
مرے پاک سینے پہ ناپاک قدموں نے یلغار کی
مرے جسم کو دوزخی آگ جھلسا رہی ہے" (۱۹)

کسی ایک شاعر کی طرف سے کیے گئے یہ شاعرانہ اظہار دراصل پوری قوم کے جذبات و احساسات کی ترجمانی تھی۔یعنی قومی گیتوں میں زمینی سطح پر سچائیوں اور تلخ حقیقتوں کا اظہار ملتا ہے۔ محسوسات، زندگی کے حقائق اور مسائل کا ادراک کی کیفیت کا آئینہ دکھاتی شاعری جن سے شاعر کی آشنائی اس وقت ہوتی ہے جب کرب یا مسرت کے معاملات ہوں۔ یہ کسی ایک فرد کے معاملات نہیں ہوتے بلکہ مشترکہ دکھ سکھ اور وہ مسائل جو تمام ہم وطنوں کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ قومی گیتوں کے موضوعات شاعری کی دیگر روایات سے مختلف ہوتے ہیں۔ جس میں شاعر وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے ضرورت کے مطابق مسائل پسندانہ روشاختیار کرتا ہے۔ وطن کے افراد کی زندگی غیر محفوظ ہو جائے تب قومی گیت تخلیق ہوتے ہیں۔ یہ گیت زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنا دائرہ وسیع کر لیتے ہیں۔ گیت قوم کے افراد کو تاریخی شعور دیتے ہیں۔ قومی گیتوں کا سب سے نمایاں اور اہم پہلو عملی جدوجہد کا سبق ہے۔ ایسے جنگی و عسکری قومی گیتوں میں گیت نگار ایسا اسلوب اختیار کرتا ہے جس کے تحت جوش ،جذبہ اور ولولہ ابھاراجا سکے ۔اس کے لیے برق شعلہ زن ،بہادران صف شکن، یلان زلزلہ فگن، تلوار، ڈھال، سپاہیانہ لباس، گھوڑے جیسے الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔ جن کے عقب پر جنگی و عسکری چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ انہی کے سہارے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھایا جاتا ہے کہ ان راہ میں چاہے دشت وریگ زار آئیں، سیل و جوئبار روکاوٹ بنیں، بحر و کوہسار جیسی کٹھن راہیں کیوں نہ حائل ہوں، ان کی پاسباں خدا کی ذات ہے۔ اس لیے وطن کی خاطر تیغ اٹھاؤ اور آگے بڑھتے چلو۔ اختر شیرانی ایک جنگی ترانہ ''بڑھے چلو'' میں لکھتے ہیں:

''سنو' سنو' کہ وقت کا کچھ اور ہی پیام ہے!
اُٹھو اُٹھو کہ خطرے میں وطن کا ننگ و نام ہے!
بڑھو بڑھو کہ غازیوں کو بڑھنے ہی سے کام ہے!
برنگ جہلم و جمن' بڑھے چلو' بڑھے چلو!
دلاوران تیغ زن بڑھے چلو' بڑھے چلو!
بہادران صف شکن' بڑھے چلو' بڑھے چلو!" (۲۰)

قومیت میں ڈھلنے والے یہ گیت سخت شاعری کے قوانین کی پابندی سے خود کو آزاد کر کے حقیقت، فطرت اور بے ساختگی کی آمد احساس کی ترجمانی اور جذبات کے براہ راست انکشاف کا ذریعہ بنایا۔ اظہار کے اس طریقہ کار نے احساسات و جذبات پر بندھن باندھنے کی بجائے آزادی کو فروغ دیا۔ جس کے نتیجے میں قومی گیت

ہستی کی گہرائیوں سے امڈ کر نمودار ہوئے۔ ایک سرزمین، ایک خطہ وطن شعراء کی نگاہوں میں آجاتا۔ جس کے تحت وہ گیت تخلیق کیے جانے لگے جس کا کام اظہارِ احساس ہے۔ تحریک پاکستان کے تناظر میں ابھرنے والے ان گیتوں کا اصل مدعا یہ تھا کہ شاعری عقل و دانش کا اظہار نہیں، مگر اس مدعا کے باوجود قومی گیت زندگی اور اس کی حقیقتوں سے دور نہیں ہوئے بلکہ حقیقت اور تخیل کے بطن سے بیک وقت پھوٹے۔ پاکستان کا خواب جو شاعر مشرق نے پیش کیا اور اس خواب کو حقیقت کی صورت میں قائد کی تعبیرات نے ڈھالا۔ ان میں ان جذبات واحساسات کی گونج ہوتی ہے جو حقیقی زندگی سے تحریک پاتے ہیں۔ توانائی اور بلند حوصلگی اور دیگر فکری جہات کی تخلیقی قوت سے نمودار ہونے والے ان قومی گیتوں سے یہ چیزیں الگ کی جائیں تو پھر یہ اپنی شناخت محض اردو گیتوں کی صورت میں ہی کر سکتے ہیں۔ اس حوالے سے انوار انجم "میرا جی شخصیت اور فن" میں لکھتے ہیں:

"بعض نقادوں کا خیال ہے کہ گیت میں کسی طرح فکری عنصر اس کی صحیح روح کو فنا کر دیتا ہے اور گیت 'گیت کی بجائے فلسفہ بن جاتا ہے۔" (۲۱)

یہ بھی حقیقت ہے کہ ابتدا میں گیتوں میں عروض کی بنیاد ہندی پنگل پر رکھی گئی تھی۔ اس لیے قدامت پسندی اور معین کردہ سانچوں کی بدولت ٹھہراؤ کے امکانات تھے مگر یہ امکانات اس وقت مکمل طور پر معدوم ہو گئے جب عظمت اللہ خان کی عروض کے حوالے سے نئی کامیاب تجرباتی کوششوں نے گیتوں میں ہیئت اور موضوع دونوں کے اعتبار سے گیتوں کو نیا اسلوب بیان، مقامی ذخیرہ الفاظ، سادگی اور تہذیب و تمدن سے رچی اردو کی تشبیہیں، استعارے اور مقامی مزاج سے ہم آہنگ غور و فکر کے جذب و قبول کی نئی روایتوں کا امین بنایا۔ جدت طرازی کا جو نیا باب عظمت اللہ خان نے کھولا۔ اس میں آنے والے شعراء نہ صرف استفادہ کرتے رہے بلکہ وقتاً فوقتاً جدت طرازی کی مثالیں بھی پیش کرتے رہے۔ ان کوششوں سے گیتوں میں گہرائی، وسعت اور اظہار کی قوت پیدا ہوئی مگر اظہار کی اس کیفیت میں ثقالت اور پیچیدگی کی بجائے سادگی اور سلاست کو بطور خاص مد نظر رکھا گیا۔ گیت کی امتیازی صفت کے حوالے سے انوار انجم لکھتے ہیں:

"یہ ٹھیک ہے کہ اردو میں گیت کو ایک نرم نازک اور سبک صنف کی حیثیت سے برتا گیا ہے اور اس میں بالعموم جذبات کی ہلکی پھلکی کیفیتیں ہی پیش کی جاتی رہی ہیں مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ گیت کسی واردات یا کسی گہری کیفیت اور جذبات کو اپنے دامن میں نہیں سمیٹ سکتا۔ جذبے کی گہرائی اور وسعت اور چیز ہے اور اس کے اظہار

میں ثقالت اور پیچیدگی پیدا کرنا اور بات ہے۔ گیت کا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ کیفیت خواہ
کسی نوعیت کی بھی ہو اس کے اظہار میں ایک سادگی اور ایک سلاست کو ملحوظ رکھا جاتا
ہے اور بڑے بڑے فلسفیانہ مقدمات کو بھی وارداتِ عائدہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔"[۲۲]

لیکن خیالات و جذبات کے اظہار اور مدعا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان قومی گیتوں میں ترنم کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات اس کے لیے مترنم الفاظ لائے جاتے ہیں اور کبھی ٹیپ کے مصرعے سے بھی مذکورہ کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔ گیتوں کی ہیئت میں سب سے اہم چیز اس کی ٹیپ ہے۔ ان قومی گیتوں کی نغمگی کے پیش نظر کبھی سالم ٹیپ لائی جاتی ہے تو کبھی مختصر۔ ان چھوٹے بڑے مصرعوں کے گھٹنے اور بڑھنے سے ان میں بے ساختگی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔ "جیوے جیوے پاکستان" میں جمیل الدین عالی کا تحریر کردہ یہ گیت نغمگی، لے اور سُر کی کیفیت کو مصرعوں کے گھٹنے اور بڑھنے کی صورت میں سامنے لاتا ہے۔

"جیوے　جیوے　جیوے پاکستان
پاکستان، پاکستان، جیوے پاکستان
پاکستان، پاکستان، جیوے پاکستان
جیوے۔۔۔ جیوے
جیوے۔۔۔ جیوے " [۲۳]

طوالت گیت کی خوبصورتی کو نہ صرف مجروح کرتی ہے بلکہ ایسے طویل گیتوں کو نظمیں کہا جائے تو درست ہو گا۔ جذبات و احساسات، دلی کیفیات کے اظہار موسیقیت کے علاوہ اختصار بھی ان قومی گیتوں کا خاص وصف ٹھہرتا ہے۔ ان گیتوں میں ہندی کے رسیلے اور میٹھے الفاظ کا اردو کے ساتھ خوبصورت ملاپ غنایت پیدا کرتا ہے۔ 'لاحاصل'' میں جمیل الدین عالی کا "۲۳ مارچ" کے عنوان سے تحریر کردہ یہ گیت ہندی اور اردو کے الفاظ سے ملاپ نغمگی کو ابھارتا ہے۔

"تھر تھر کانپے کاغذ اور سیاہی اُڑتی جائے
سچ کا بوجھ ترازو جھوٹی کتنی دیر اٹھائے
عالیؔ تو نے اتنے برس اِس دیس کی روٹی کھائی
یہ تو بتا تیری کویتا رانی دیس کے کیا کام آئی [۲۴]

قومی گیتوں میں ان نرم ونازک اور لطیف الفاظ کے ذریعے ترنم اور نغماتی کیفیت ابھرتی ہے۔

"تجھے بھائے پاکستان کے نام پہ شہرت پائے
جب تجھے بھائے بھیس بدل کر جگ باسی بن جائے
سچے سُر جب گلے سے نکلیں سچی جب ہو تھاپ
ہم نے دیکھا کویتا رانی ناچی آپ سے آپ" (۲۵)

تلخ حالات کا یہی پہلو سب سے پہلے شاعری کی دیگر اصناف پر مرتعش ہوا۔ جسے بعد میں قومی شاعری کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔ جس نے آنے والے ادوار میں ایسے لازوال قومی گیتوں کی تخلیق کے لیے زمین ہموار کی ۔ یہ گیت سیاسی، معاشرتی، معاشی اور مذہبی مسائل کو اجاگر کرتے ہوئے ان حقیقتوں کو سامنے لائے، جنہیں سامنے لانے سے نثر کی صنف قاصر تھی۔ اس کے لیے گیت نگار بے خطر ہو کر سچائیوں سے پردے اٹھاتا ہے ۔ ان قومی گیتوں کی شناخت کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ ان کے گائے یا سنائے جانے کے لیے مجمع بھی اکٹھا ہو سکتا ہے اور ان کی ترجمانی کا حلقہ بھی وسیع ہو سکتا ہے۔ یہ قومی گیت قومی زبان میں ہی تخلیق کیے جاتے ہیں۔ ان میں روش عام سے بغاوت کے باوجو اردو گیتوں کی روایت کے مطابق ہندی کے شریں، لوچ دار اور کومل الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے ۔ البتہ قومی گیتوں میں بہت سارے ہندی کے الفاظ ضرورت اور وقت کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ترک بھی کر دیئے گئے ۔ جیسے اب دیش کی بجائے وطن، ملک، دھرتی، وطن کے دلکش اور خوبصورت مناظر کے لیے" سندر "کے لفظ کا استعمال کم ہی ملتا ہے بلکہ اس کے متبادل خالصتاً اردو کے الفاظ برتے جاتے ہیں۔ قومی گیتوں میں خیالات کے بہترین اظہار کے لیے عربی الفاظ کا استعمال بھی ملتا ہے۔ ان میں پاکستان کی علاقائی زبانوں کے استعمال سے دھیمی اور نرم لے میں جاندار سی کیفیت ابھرتی ہے۔

## حوالہ جات


۱۔ اردو لغت تاریخی اصول پر (جلد چہار دہم )، اردو لغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ)، کراچی،، طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۹۶۰

۲۔ شان الحق حقی: "فرہنگ تلفظ"، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، طبع چہارم ۲۰۱۲ء، ص ۹۴۷

۳۔ اردو لغت تاریخی اصول پر (جلد چہار دہم )، اردو لغت بورڈ (ترقی اردو بورڈ)، کراچی، طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۹۶۱

۴۔ مظفر عباس، ڈاکٹر: "اردو میں قومی شاعری" (مع ترمیم و اضافہ)، گوہر پبلیکیشنز، سال ندارد، لاہور، ص ۲۱

۵۔ اردو لغت تاریخی اصول پر (جلد ہشتم دہم)،اردو لغت بورڈ(ترقی اردو بورڈ)، کراچی، طبع اول۱۹۷۷ع، ص۶۱۸
۶۔ طاہر قریشی، محمد، ڈاکٹر:- "ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر" (سقوطِ دلی تا سقوطِ ڈھاکا)، نعت ریسرچ سینٹر کراچی، ۲۰۱۹ع، ص۱۲
۷۔ ساحر لدھیانوی، "کلیاتِ ساحر"، دعا پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ع، ص۴۹۱
۸۔ آصف بھلی، محمد۔ "میرے قائد کا نظریہ"، مقبول اکیڈمی، ۲۰۱۲ع، لاہور، ص۲۸
۹۔ خواجہ محمد زکریا، "کلیات حفیظ جالندھری"، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ع، لاہور، ص۳۴۷
۱۰۔ علامہ محمد اقبال۔ "کلیات اقبال (اُردو)، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۹ع، ص۱۰۷
۱۱۔ ساحر لدھیانوی، "کلیاتِ ساحر"، ۲۰۱۴ع، دعا پبلی کیشنز، لاہور، ص۴۹۵
۱۲۔ ساحر لدھیانوی، ایضاص۵۰۷
۱۳۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر، "ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۵ع، ص۵۲۱
۱۴۔ گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر ایضا، ص۲۶۵
۱۵۔ ساحر لدھیانوی، "کلیاتِ ساحر"، دعا پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ع، ص۴۱
۱۶۔ ساحر لدھیانوی، ایضا، ص۱۷۲
۱۷۔ عتیق ظفر شیخ (مرتب) "منتخبہ نظمیں"، قومی ادارہ برائے تحفظ دستاویزات حکومت پاکستان، اسلام آباد، اگست ۱۹۸۶ع، ص۶
۱۸۔ ساحر لدھیانوی، ایضا، ص۱۸۰
۱۹۔ احمد راہی۔ للکار مشمولہ زندہ نغمے، مرتب، صوفی تبسم وغیرہ، ص۶۶
۲۰۔ اختر شیرانی، کلیات، (تحقیق و تدوین، ڈاکٹر یونس حسنی)۔ الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۷ع، ص۲۹۴
۲۱۔ انوار انجم، میراجی شخصیت اور فن"، اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۹ع، ص۲۸۸
۲۲۔ انوار انجم، ایضا، ص۹ ۲۸
۲۳۔ جمیل الدین عالی: "جیوے جیوے پاکستان"، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، طبع دوم ۱۹۸۸ع، ۱۸
۲۴۔ جمیل الدین عالی: "لاحاصل" پاکستان رائیٹرز کواپریٹو سوسائٹی، لاہور، طبع سوئم ۱۹۹۵ع، ص۶۴
۲۵۔ جمیل الدین عالی، ایضا، ص۶۴